

تعقل و تدبر کیلئے قرآن حکیم کی تاکید



اور اسلام میں اجتہاد و قیاس کا مقام

از مولانا جعفر شاہ پھلواری

دنیا کی کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس نے عقل سے کام لینے پر اتنا زور دیا ہو جتنا قرآن نے دیا ہے۔ عقل و فہم کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو قرآن نے مختلف الفاظ سے واضح کیا ہے۔ مثلاً:-

۱- لفظ حکمت سے :- و یعلمکم الکتب والحکمة لہ (یہ رسول تمہیں کتاب اور حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے)۔

ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا ۲ (جسے حکمت و دانائی عطا ہوئی اسے بے شمار بھلائیاں مل گئیں)

۲- لفظ لب سے :- وما یدکر الا اولوالالباب ۳ (اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)

۳- لفظ بصیرۃ سے :- فاعتبروا یا اولی الابصار ۴ (عقل والوعبرت حاصل کرو)

افلا تبصرون ۵ (تم بصیرت سے کام نہیں لیتے؟)

۴- لفظ نفق سے :- لو کانوا یفقیہون ۶ (کاش یہ سمجھ سے کام لیتے)

۵- لفظ شعور سے :- وما یشعرون ۷ (یہ شعور سے کام نہیں لیتے)

۶- لفظ عقل سے :- افلا تعقلون ۸ (تم عقل سے کام نہیں لیتے)

۲۶۹ : ۲	۳	۲۶۹ : ۲	۲	۱۵۱ : ۲	۱
۸۱ : ۹	۶	۷۲ : ۲۸	۵	۳ : ۵۹	۴
		۳۴ : ۲	۸	۹ : ۲	۷

یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں پڑھا گیا (مدیر)

۷۔ لفظ تفکر سے :- ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون ۹ (اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

۸۔ لفظ تدبر سے :- افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب افعالہا انہ (یہ قرآن میں غور نہیں کرتے ؟ کیا دلوں پر تالے پڑے ہیں ؟)

۹۔ لفظ تو سم سے :- ان فی ذلک لآیات لمن تو سمین (اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں) ۱۵: ۴۰
ان میں سے ہر لفظ عقل و تدبر اور غور و فکر کے ایک الگ پہلو کو واضح کرتا ہے اور کسی ذی فہم سے ان الفاظ کے تیور پوشیدہ نہیں۔ ہر لفظ عقل و دانائی، تفقہ و تدبر اور حکمت و بصیرت کی ترغیب سے بھر پور ہے۔ لیکن اس حقیقت کو قرآن نے انتہا تک جس انداز سے پہنچایا ہے، وہ بھی آپ اپنی مثال ہے۔ ملاحظہ ہو :-

۱۔ صم یکم عمی فہم لا یعقلون (یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں اس لئے عقل سے کام نہیں لیتے)

۲۔ ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین یعقلون (خدا کی نگاہ میں بدترین مخلوق وہ بہرے گونگے ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے)

۳۔ ویجعل الرحس علی الذین لا یعقلون (جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر اللہ پلیدی ڈال دیتا ہے)

۴۔ وقالوا لو کان سمع اولعقل ما کان فی اصحاب السعیر (منکرین کہیں گے کہ اگر ہم نے سنا اور عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم جہنمی نہ بنتے)

ذرا غور فرمائیے اور بتائیے کہ عقل کی تائید یا بے عقلی کی بُرائی میں اس سے بھی زیادہ کچھ کہا جاسکتا ہے ؟ قرآن پاک کو ان واضح آیات کے بعد کچھ اور بتانے کی ضرورت نہیں لیکن مسئلہ اور نکھر کر سامنے آجائے گا اگر بعض احادیث کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ سنئے :-

۱۔ عن ابن عباس انہ دخل علی عائشۃ فقالت یا ام المؤمنین اریت الرجل یقل

۱۷۲: ۲

۲۴: ۳۷

۳: ۱۳

۱۰: ۶۷

۱۰۰: ۱۰

۲۳: ۸

قیامہ ویکثر رقادہ و آخریکثر قیامہ و لیقل رقادہ ایہما احبب الیک ؟ قتالت سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما سألتنی عنه فقال احسنهما عقلا۔ قلت یا رسول اللہ اسألك عن عبادتہما۔ فقال یا عائشۃ ! انما یستلان عن عقولہما فمن کان اعقل کان افضل فی الدنیا و الآخرۃ ۱۵ (عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ وہ جناب عائشہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ ام المؤمنین! ذرا بتائیے تو سہی کہ ایک شخص ہے جو شب بیداری کم اور آرام زیادہ کرتا ہے۔ اور دوسرا شب زندہ داری زیادہ اور آرام کم کرتا ہے۔ آپ کو ان دونوں میں کون زیادہ پیارا ہے؟ جناب عائشہ نے فرمایا: جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے۔ بالکل وہی سوال میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو حضور نے جواب دیا: ان دونوں میں جس کی عقل زیادہ ہوگی (وہی مجھے محبوب تر ہوگا)۔ میں (عائشہ) نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تو ان دونوں کی عبادت کے بارے میں سوال کر رہی ہوں (اور حضور جواب دے رہے ہیں عقل کے بارے میں) حضور نے جواب دیا: اے عائشہ! ان دونوں سے باز پرس تو عقل ہی کے بارے میں ہوگی۔ پس جو زیادہ صاحب عقل ہوگا، وہی افضل ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

اس ارشاد نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ شب زندہ داری اور عبادت و ریاضت کا مقصد محض چند کلمات و حرکات یا چند مراسم کو ادا کر لینا نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد عقل و شعور اور تفقہ و بصیرت پیدا کرنا ہے۔ عقل کے متعلق باز پرس (انما یستلان عن عقولہما) بڑی معنی خیز حقیقت ہے۔ یعنی باز پرس یہ نہ ہوگی کہ تم نے کتنی تہجد پڑھی؟ مگر یہ باز پرس ضرور ہوگی کہ اس تہجد گزاری اور شب زندہ داری سے اپنے اندر عقل و تفکر کی کتنی قوت و صلاحیت پیدا کی اور اس سے تمہاری سمجھ بوجھ میں کتنا اضافہ ہوا؟ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عبادت کے ذریعے اسلام بے عقل نہیں بنانا چاہتا بلکہ لانتہا ارتقا پذیر عقل و دانائی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

۲۔ عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تعجبوا باسلام امری حتی تعرفوا عقدہ عقلہ ۱۶ (عبداللہ بن عمر سے حضور کا یہ ارشاد

۱۵ کتاب الاذکیاء لابن الجوزی۔ طبع مصر ص ۳

۱۶ کتاب الاذکیاء لابن الجوزی (طبع مصر): ص ۳

مروی ہے کہ کسی کے اسلام سے اس وقت تک خوش نہ ہو، جب تک اس کی محکم عقل کو نہ جان لوں۔
گو یا معاملہ محض عبادات تک محدود نہیں بلکہ پورے اسلام کا مقصد ہی عقل و دانش پیدا کرنا ہے۔
اور کیوں نہ ہو؟ اسلام تو سرایا عقل و حکمت ہے۔ وہ اپنے پیروں کو بہرا، گونگا، اندھا اور بے عقل
بنانا نہیں چاہتا۔ عاقل و فزانہ بنانا چاہتا ہے۔ ایسا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہر قدم سوچ سمجھ کر
اٹھے اور ہر بات عقل کی ترازو پر پوری اترے۔

۳۔ عن علیؑ قال: الا لاخیر فی قرآۃ لیس فیہا تدبر ولا فی عبادۃ لیس فیہا تفقہ؟
سیدنا علی فرماتے ہیں: سن لو کہ جن قراءت میں تدبر اور جس عبادت میں تفقہ نہ ہو، اس میں
کوئی خیر نہیں۔

یہ روایت حسن اتفاق سے اہل سنت اور اہل تشیع دونوں میں متفق علیہ ہے۔ اصول کافی میں بھی
تقریباً یہی الفاظ سیدنا علیؑ سے مروی ہیں^{۱۸} اللہ اور اس کے رسول کے یہ ارشادات آپ کے سامنے
ہیں۔ اس کے بعد خود فیصلہ کیجئے کہ غور و فکر کا حق سلب کر لینا عقل و شعور اور تفکر و تدبر پر قفل لگا
دینا اور اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دینا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ آپ نے اکثر یہ
الفاظ بعض لوگوں کی زبان سے سنے ہوں گے: "یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں عقل کا کیا کام ہے؟ بس
ایمان لے آنا چاہیے۔" اور کوئی چون و چرا نہیں کرنی چاہیے معلوم نہیں ایمان اور عقل میں تناقض کیوں
فرض کر لیا گیا ہے؟ عقل سلیم یا غور و تدبر سے تو ایمان میں اور پختگی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس
گوشے کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ وہ عباد الرحمن کی ایک صفت یوں بیان فرماتا ہے:-

والذین اذا کُروا یا آیات ربہم سمعوا بحرّ و اعلیھا صما و عمیاناً^{۱۹}

جب انہیں آیات ربّانی کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان پر ہرے اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔
یعنی آیات ربّانی کو بھی بے سمجھ بوجھے محض "خوش اعتقادی" سے نہیں مان لیتے بلکہ شعوری و
عقلی طور پر سمجھ بوجھ کر ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یوں ہی بے شعور و عقل بہروں، اندھوں کی طرح
آیات ربّانی پر نہیں گر پڑتے بلکہ ان کے فلسفہ و حکمت کو بھی سمجھتے ہیں۔ مصالح کے تمام

پہلوؤں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ انطباق کے مواقع کو بھی پہچانتے ہیں۔ سیاق و سباق اور دوسرے احکام سے اس کے ربط کا بھی فہم رکھتے ہیں۔ نیرنئے نئے حقائق کے موقی نکالنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ ہے بہرے اندھے ہو کر نہ گرنے کا مطلب۔ اگر قرآن پر بے سمجھے بوجھے بہرے اندھے بن کر ایمان لانا ضروری ہوتا تو عقل و تدبیر پر اتنا زور کیوں دیا جاتا؟ قرآن پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن عقل و تدبیر کو غیر ضروری فرض کر لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ربانی کلام کے بعد انسانی کلام کی کوہانہ تقلید کی بھی عادت پڑ گئی اور تقلید جامد گو یا حیز و ایمان بن کر رہ گئی۔ ربانی کلام اور انسانی تعبیر و تفسیر کا فرق کسی وقت آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیئے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ کسی حکم الہی کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو یہ ہمارا قصور فہم ہوگا مگر اس کے پُر حکمت ہونے پر ایمان رکھنا ضروری ہوگا لیکن انسانی تعبیر و تفسیر کے حتمی ہونے پر ایمان لانا اور بے سمجھے بوجھے تسلیم کر لینا ضروری نہیں۔ اگر وہ کتاب و حکمت کے مطابق نظر آئے گی تو مان لی جائے گی اور نہ مفسر کی نیک نیتی کو تسلیم کرنے کے باوجود اسے رد کیا جاسکتا ہے۔

عقل و فہم خدا کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو اس کا رنگ آلود ہو جانا یقینی ہے۔ اس رنگ آلودگی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے متعلق تقریباً وہی پوزیشن اختیار کر لی ہے جو اہل کتاب اور مشرکوں نے اختیار کر رکھی تھی۔ ان سے جب کسی غلطی کو ترک کر کے راہ راست پر آجانے کی فرمائش کی جاتی تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ بل نبتع ما الفینا علیہ آباءنا (ہم تو اسی بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے) و جدنا علیہ آباءنا (ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی روش پر پایا ہے)۔ اسی قسم کی وہ تقلید جامد ہے جس کے متعلق مولانا رومی نے کہا ہے :

چند صد لعنت بریں تقلید باد

بات یہ ہے کہ جب عقلی و فکری صلاحیتیں کمزور پڑ جاتی ہیں تو جو دوسرا پیدا ہو جاتا ہے اور ارتقا پذیر ممکنات کی نمود ختم ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں آسان راستہ یہی نظر آتا ہے کہ خود سر کھپانے کی بجائے دوسروں کی فکر پر کئی اعتماد کر لیا جائے۔ خود سوچنے میں خطا کا امکان ہے لہذا یہ خطرہ

کیوں مول لیا جائے؟ کیوں نہ اپنے بڑے مصلیٰ کی ذمہ داری کسی اور کے کاندھوں پر ڈال دی جائے؟ تقلید اسی سہل اندازِ زلیت کا نام ہے۔ اس کا ایک سبب تو علم، قوتِ فکر یہ اور حریتِ ضمیر کی کمی ہے۔ اور دوسرا سبب ایک مجبورانہ حالت بھی ہے۔ جب انسان معاشی کاروبار اور دوسرے دھندوں میں پھنس جاتا ہے تو اس کے پاس اتنا موقع و وقت نہیں ہوتا کہ وہ نازک مسائل کی باریکیوں پر غور کرے۔ اس طرح کی مجبوریوں میں اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ دوسروں کی تحقیق پر مقلدانہ اعتماد کرے۔ ایسے لوگوں کو اجتہاد کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ وہ صرف اپنے فن میں مجتہد ہو سکتے ہیں۔ تقلید ایک ابتدائی ضروری قدم ہے مگر کوئی نصب العین اور آخری مقصد نہیں۔ ایک بچہ ابتدا میں اپنے معلم کا مقلد ہی ہوتا ہے لیکن ایک دن وہ خود پڑھنے اور دوسروں کو پڑھانے کے لائق ہو جاتا ہے۔ یہی صورتِ معاشرے کی بھی ہے۔ جس میں ایک طبقہ عوام مقلد ہوتا رہے گا۔ لیکن اسی میں سے وہ افراد بھی پیدا ہوتے رہیں گے جو تقلید کے ابتدائی ذہنوں سے گزر کر بامِ اجتہاد پر فائز ہو جائیں انہی کو اولوالاحلام والنہی یا اربابِ حل و عقد کہتے ہیں۔ امت میں ان کا وجود محض درجہٴ اباحت میں نہیں بلکہ واجبات میں ہے۔ آئیے ذرا کتاب و سنت میں بھی اسے تلاش کریں۔ ارشادِ قرآنی ہے :-

۱۔ ولورودوا الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین لیستنبطونہ منہم ۲۲

اگر وہ (امن یا خوف کی باتوں کو) رسول اور اپنے اولی الامر تک لے جائے تو ان کے استنباط کرنے والے لوگ اسے معلوم کر لیتے۔

یہ "استنباط" کیا ہے؟ یہ اجتہاد ہی کا دوسرا نام ہے اور ہر فن کا ماہر اس کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ مسلمات اور کلیات کی روشنی میں پیش آمدہ پیچیدگی کو سلجھاتا ہے اور یہی اس کا اجتہاد ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

۲۔ فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیفتقہوا فی الدین ۲۳

تو ان میں سے ہر گروہ میں سے ایک جماعت ایسی کیوں نہ نکلی جو دین میں تفتقہ حاصل کرتی؟
 "یفتقہ فی الدین" آخر کیا چیز ہے جسے قرآن ایک طبقہ کے لئے ضروری قرار دے رہا ہے۔ یہ حکم

صرف عہد رسالت کے لئے نٹھایا پوری امت کے لئے ایک دوامی حکم ہے، کیا یہ تفقہ فی الدین اجتہاد ہی کا دوسرا نام نہیں؟ اور کیا قرآن نے کسی دور کے لئے اس تفقہ کا دروازہ بند بھی کیا ہے؟ ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے۔

قرآنی ارشادات کے بعد ہمارے سامنے حدیث رسول آتی ہے جو قرآن کی سب سے بہتر تفسیر ہے۔ اس سلسلے میں ہماری نظر سب سے پہلے اس مشہور حدیث معاذ پر جاتی ہے جو اس مضمون پر فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱- ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما اراد ان یبعثہ (ای معاذاً) الی الیمن قال لہ: کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال ان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال اقضی بسنة رسول اللہ۔ قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتهد رأيي ولا آلو۔ فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرکما وقال: الحمد لله الذی وفق رسول رسولہ لما یرضی رسول اللہ ﷺ

حضورؐ نے جب معاذ کو والی یمن بنا کر بھیجا تو ان سے پوچھا: تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ ملے؟ عرض کیا پھر سنت رسول اللہ کے مطابق۔ فرمایا: اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ دونوں میں نہ ملے؟ جواب دیا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ حضورؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اللہ کا شکر ہے جن نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں تو واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ کتاب و سنت میں قیامت تک ہونے والے جزئیات موجود نہیں اور وہیں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اجتہاد عین رضائے رسول ہے۔ دوسرے یہ کہ اجتہاد حضرت معاذ کے ساتھ مخصوص نہیں ورنہ حضورؐ خاصاً لك من دون المومنین بھی فرمادیتے۔ نیز پھر کوئی صحابی مجتہد نہ ہو سکتا اور ائمہ

اربع کو بھی مجتہد ہونے کا حق نہ ہوتا۔

ہمارے اس بیان کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو یوں ہے :

۲۔ اذہکم المحاکم فاجتہد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتہد فاخطا فله اجر ۲۵ جب قاضی اپنے اجتہاد سے ٹھیک فیصلہ دے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے ۔
 ایک اجتہاد کا اور دوسرا اصابت کا) اور اگر وہ اس اجتہادی فیصلے میں غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملے گا (صرف اجتہاد کا)

اس حدیث سے بھی دو باتیں بڑی وضاحت سے ثابت ہوتی ہیں :

ایک یہ کہ یہ حق اجتہاد صرف حضرت معاذ یا کسی معاصر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو منصب قضا پر مامور ہو۔ دوسرے محض غلطی کے امکانات سے ڈر کر اجتہاد سے دستکش رہنا ایک اجر کو ضائع کرنا ہے ۔

زندگی کے ارتقا پذیر ممکنات اجتہاد ہی سے وابستہ ہیں اور اس کا دروازہ وہ رسول کیسے بند کر سکتا تھا جن کا سب سے بڑا کارنامہ ہی یہ ہے وہ ممکنات حیات کو بروئے کار لایا ہے اور دنیا کو ارتقا پذیری کی راہ سے روشناس کرایا ہے ۔

ان احادیث کے ساتھ دو اثر "بھی ملا لیجئے تو بات اور زیادہ واضح ہو جائے گی۔ یہ دونوں سیدنا عمر کے مکتوبات ہیں ۔

۱۔ آپ نے سیدنا قاضی شریح کو لکھا :

اقض بما فی کتاب اللہ فان لم یکن فی سنتہ رسول اللہ۔ فان لم یکن فی کتاب اللہ ولا فی سنتہ رسول اللہ فاقض بما قضی بہ الصالحون۔ فان لم یکن فیما قضی بہ الصالحون فان شئت فتمقدم وان شئت فتاخر۔ ولا اری التاخر الا خیراً لک ۲۶

فیصلہ کتاب اللہ سے کرو۔ اگر وہاں نہ ہو تو سنت رسول اللہ سے کام لو۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں میں نہ ہو تو صالحین کے اجتہادی فیصلے کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر صالحین کے فیصلوں

میں بھی نہ ملے تو خواہ بروقت کوئی فیصلہ کر دیا ذرا غور و فکر کے بعد کرو۔ اور میری رائے میں تمہارے لئے ذرا غور و فکر کر لینا ہی بہتر ہے۔

۲۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری کو آپ نے یہ لکھا:

الفهم الفہم انما اختلج بہ صدرک مما لم یبلغک فی الکتاب والسنتہ واعرف الامثال والاکا
شباہ شرفس الامور عند ذلک۔ جس معاملے کا سراغ کتاب و سنت میں نہ ملنے کی وجہ سے تمہارے
دل میں خلجان پیدا ہو، وہاں عقل و منہم سے کام لو اور نظائر پر معاملات کو قیاس کر لو۔

اس ارشاد فاروقی میں کتاب و سنت کے علاوہ ایک اور چیز کا اضافہ ہے۔ یعنی صالحین کے فیصلوں کو
بھی بطور نظائر (PRECEDENTS) سامنے رکھنا چاہیے اور کہیں کوئی واضح حکم و فیصلہ نہ ملے تو
قیاس سے کام لینا چاہیے۔ یہی قیاس اجتہاد ہوتا ہے جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ معاشرے
کی تشکیل اور زندگی کے تقاضے ہر روز نئے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ زندگی کے ممکنات لا انتہا ہیں
اور اس کے تنوعات بھی لامحدود ہیں۔ قیامت تک ہونے والے واقعات کی جزئی جزئی تفصیلات اور
ان کے فیصلے کسی کتاب میں نہیں سما سکتے۔ لہذا اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے کوئی معنی نہیں۔

یہاں ایک ضروری گزارش بھی سن لیجئے مگر ذرا غور سے سنبھلے عقل و تدبیر اور قیاس و اجتہاد کے
حق میں آپ نے کتاب اللہ اور اخبار و آثار کے کچھ دلائل سن لئے۔ ہمیں افسوس ہے اس کے خلاف ہمیں
کوئی دلیل نہ مل سکی۔ نہ قرآن میں نہ حدیث نہ آثار صحابہ میں۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ یہ دعویٰ کیوں
اور کس دلیل سے کیا گیا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے؟ یہ خود ایک اجتہاد ہے۔ لہذا
اگر واقعی اجتہاد کا دروازہ بند کرنا ہے تو سب سے پہلے خود اس اجتہاد کا دروازہ بند کیجئے جس میں
یہ کہا گیا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ اگر کچھ لوگ ایسے اجتہاد سے یہ فرما سکتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ
بند ہے تو دوسروں کو یہ اجتہاد کرنے کا بھی حق ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے بلکہ قیامت تک
کے لئے کھلا ہے۔ دونوں اجتہادوں میں فرق صرف یہ ہو گا کہ ایک کے لئے کوئی دلیل نہیں اور دوسرے
کے حق میں نقلی دلائل بھی ہیں اور عقلی بھی۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں اختیار کر لیجئے۔

مگر ذرا ٹھہریے۔ صرف دلائل پر اکتفا نہ کیجئے۔ امت کا تعامل کیا رہا ہے۔ اسے بھی دیکھتے چلیے۔ خود حضورؐ کے عہد میں بھی اجتہاد ہوتا رہا ہے اور حضورؐ نے اس کی تصویب فرمائی ہے۔ اور حضورؐ کے بعد تو اس قدر بہتات سے اجتہاد ہوتا رہا ہے کہ اس کا شمار ہی مشکل ہے۔ عہد نبوت کی ایک مثال لیجئے۔ اوس بن صامت اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کو ماں سے تشبیہہ دیتے ہیں جسے اصطلاح فقہ میں ”ظہار“ کہتے ہیں۔ حضورؐ قدیم رواج کے مطابق فرماتے ہیں کہ تم دونوں میں ابدی جدائی ہو گئی اور باہم ملنے کی صورت نہیں۔ خولہ کہتی ہیں کہ یہ طلاق کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ لفظ طلاق بولا ہی نہیں اور میں اس کی ماں کس طرح ہو سکتی ہوں جبکہ میں نے اسے جنا نہیں۔“ اس منظر کو آنکھوں کے سامنے لائیے کہ ایک طرف ایک معمولی عورت ہے اور دوسری طرف معلم الکتاب والحکمتہ سر ابا عقل ودانائی ہے۔ عورت اس پیغمبر عقل وحکمت سے جھک گئی ہے اور اپنا قیاس بھی پیش کرتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وحی الہی اس عورت کی تائید میں نازل ہوتی ہے۔ اٹھائیسویں پارے کی پہلی سورت کا نام ہی سورہ مجادلہ ہے۔ جس کا آغاز یوں ہے: قد سمع اللہ قول التي تجادلک فی زوجها لکے (اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے بارے میں مجادلہ ومباحثہ کرتی رہی)۔

اسی طرح حیب میدان بدر میں اسلام و کفر کا پہلا معرکہ پیش آ رہا تھا، حضورؐ نے پڑاؤ کے لئے ایک جگہ مستعین فرمائی۔ حباب بن منذر نے عرض کیا کہ اگر یہ جگہ وحی سے نہیں پسند کی گئی ہے تو فلاں جگہ پڑاؤ کے لئے موزوں تر ہے۔ حضورؐ نے حباب کی رائے مان لی اور پڑاؤ کی جگہ بدل لی۔ جناب حباب نے اپنے قیاس وعقل ہی سے یہ معروضہ پیش کیا تھا لے

پھر حضورؐ کے بعد ہی جو اجتہادات صحابہ کے ہوئے ہیں، وہ تو بے شمار ہیں۔ ان میں قابل غور وہ اجتہادات ہیں جہاں احکام وعمل کی اسپرٹ اور لچک کو محفوظ و ملحوظ رکھتے ہوئے بعض منصوصات ومعمولات تک میں تبدیلی کر دی گئی۔ صرف چند مثالیں سن لیجئے:

۱۔ قرآن نے مؤلفۃ القلوب کو صدقہ دلوا یا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے سیدنا عمرؓ کی رائے سے اسے

بند کر دیا لے

۲۔ سیدنا عمر فاروق کے توپے شمارا اجتہادات ہیں جو عہد نبوت کے مرتج فیصلوں کے خلاف ہیں بشلاً (الف) عہد نبوت میں عورت کا نام لے کر تشبیہ کی جاتی تھی۔ جناب کعب بن مالک کا قصیدہ بہترین نعت تسلیم کیا گیا ہے، جس کے ایک شعر پر حضورؐ نے اپنی چادر مبارک کعب کو انعام میں مرحمت فرمادی۔ اس قصیدے کا آغاز ہی سعادت نامی عورت کے ذکر سے ہوا ہے۔ بانت سعاد و قلبی الیوم منتبول، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں عورت کا نام لے کر تشبیہ کرنے سے روک دیا کیونکہ اس میں فحش کا ایک پہلو پیدا ہوتا ہے ۳۱

(ب) عہد نبوی میں ہجو یہ اشعار پڑھے جاتے تھے اور خود حضورؐ نے حسان بن ثابت سے مشرکوں کے جواب میں اشعار ہجو پڑھوائے ہیں۔ مگر سیدنا عمر نے اس کی ممانعت فرمادی کیونکہ اس سے جاہلیت کی گزشتہ باہمی عداوتیں تازہ ہو جاتی ہیں ۳۲۔

(ج) عہد نبوی میں مفتوحہ زمینیں مجاہدوں میں تقسیم ہوتی ہیں لیکن حضرت عمر نے یہ سلسلہ بالکل ختم کر دیا کیونکہ آنے والی نسلوں کے لئے پھر کچھ باقی نہ رہے گا۔ ۳۳

(د) عہد نبوی اور دور صدیقی میں بیک مجلس طلاقیں رجعی سمجھی جاتی تھیں مگر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو کثرت طلاق سے روکنے کی عرض سے ایسی تین طلاقوں کو مغلط قرار دیا اور پھر اس فیصلے پر شدید ندامت کا بھی اظہار فرمایا ۳۵

(ر) کتابیہ سے مناکحت کی اجازت قرآن نے دی ہے لیکن فاروق اعظم نے اپنے بعض گورنروں کو اس سے روک دیا کیونکہ کتابیہ کے مال و جمال کی طرف مسلمانوں کو زیادہ رغبت ہونے لگے گی تو مسلمان عورتوں کو رشتہ طے میں دشواریاں پیدا ہونے لگیں گی۔ ۳۶

(و) عہد صدیقی تک ام و ولد کی بیع ہوتی رہی۔ سیدنا عمر نے اسے روک دیا ۳۷

(ز) حلالہ کرنے یا کرانے والے کے لئے کتاب و سنت میں کوئی سزا نہیں بیان کی گئی ہے۔ سیدنا عمر نے اس کے لئے رجم کی سزا کا اعلان فرمادیا کیونکہ یہ مناکحت کا نہایت غلط استعمال ہے۔

۳۱۔ اسد الغابۃ تذکرۃ حمید بن ثور۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

۳۵۔ اغاثۃ اللہغان لابن قیم ص ۱۸۱۔ طبع مصر ۳۶۷۔ ایضاً ۳۷۷۔ ایضاً ۳۸۷۔

(ح) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح صرف ایک سال رمضان کے عشرہ اواخر کی فقط تین طاق راتوں میں پڑھی ۹۳ لے سیدنا فاروق نے پورے ماہ ہر شب بیس رکعات باجماعت تراویح کا اہتمام فرمایا لے

(ط) اسی طرح حضرت عمر نے گھوڑوں پر زکوٰۃ اور عنبر پر خمس لگایا جو پہلے نہ تھا اور مختلف قسم کی کاشت پر خراج کی مختلف شرحیں مقرر فرمائیں جو پہلے نہ تھیں، نیز مختلف ممالک کے قیدیوں کے فدیے بھی مختلف مقرر فرمائے حالانکہ پہلے یہ صورت نہ تھی۔ لے

(ع) خطبہ جمعہ کی اذان سے پہلے کوئی اذان نہ عہد نبوی میں تھی نہ دور صدیقی میں اور نہ خلافت فاروقی میں۔ یہ اضافہ سیدنا عثمان نے فرمایا۔ کیونکہ لوگوں کی کاروباری مصروفیات اتنی زیادہ ہو گئی تھیں کہ اذان خطبہ سنتے ہی فی الفور آ کر خطبہ جمعہ نہیں سن سکتے تھے لے

مثالب اور کبھی بہت سی ہیں۔ یہاں سب کا احاطہ و شمار مقصود نہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ حضور کے بعد چند سالوں میں یہ تبدیلیاں ہوئیں اور عبادات سے لے کر معاملات تک کے مسائل شرعیہ میں تبدیلیاں ہوئیں اور عبادات سے لے کر معاملات تک کے مسائل شرعیہ میں تبدیلیاں ہوئیں۔ حالانکہ اس دور کا تمدن سماں ہوا اور بڑی حد تک محدود تھا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان چودہ صدیوں میں کسی تبدیلی کی کبھی کوئی ضرورت نہ ہوئی ہوگی۔ خواہ تمدن نے کتنا ہی پھیلاؤ اختیار کر لیا ہو اور صنعتی و سائنسی ترقیوں نے سوسائٹی کا ڈھانچہ ہی کیوں نہ بدل دیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ دین تو ناقابلِ تبدیل اصول زندگی کا نام ہے۔ لکن اللہ ذلک الدین القیم لے۔ لیکن شریعت کے تمام فروع دین کی طرح ناقابلِ تبدیل نہیں۔ دین تو وہ روح اور اسپرٹ ہے، جو تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اور شریعت اسی روح کی تشکیل کا نام ہے۔ مقصد اسپرٹ کو باقی رکھنا ہے اور شکل بدلنے سے اسپرٹ نہیں بدل جاتی۔

اجتہاد کے حق میں سب سے بڑی دلیل مختلف مذاہب کا وجود ہے۔ یہ مالکی۔ حنفی۔ شافعی۔ حنبلی۔

۳۰ ابن حبان

۳۹ سنن ابی داؤد جلد اول : ۱۹۵

۱۰۰ کتاب الخراج : ۷۰۔ نیز الفاروق شبلی۔ ۴۲ سنن ابی داؤد ج اول ص ۱۵۵ طبع کراچی

۳۳ ۳۰ : ۳۱

اور دوسرے بہت سے اسلامی مذاہب کس طرح وجود میں آگئے؟ اگر اجتہاد کا دروازہ بند تھا تو ان بے شمار مذاہب اسلامیہ کی کیا توجیہ (JUSTIFICATION) ہو سکتی ہے؟

یہ سارے مذاہب دراصل خام مواد ہیں شریعت کے لئے۔ دین ہر ایک کا ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ اگرچہ یہ شریعتیں مختلف ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم جس فرقے یا مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، وہ تو عین اسلام ہے اور باقی مذاہب اسلام نہیں۔ آج یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ شریعت تو بن چکی اور اس کی کسی بات میں بھی رد و بدل اور اضافہ و ترمیم جائز نہیں۔ ناقابل ترمیم صرف دین ہے اور شریعت ہر دور میں ترمیم قبول کر سکتی ہے۔ اور یہیں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ترمیم شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ شروع سے آخر تک سب کچھ بدل دیا جائے بلکہ:

(الف) ان شریعتوں میں جو چیز اپنے عصری تقاضوں کے مطابق ہوگی وہ باقی رکھی جائے گی۔
(ب) جس کی ضرورت نہیں، اسے ترک کر دیا جائے گا۔

(ج) جس جدید شے کی ضرورت ہوگی اس کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور اس وقت صرف عالمی مصالح امت کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اور تمام شریعتوں کے خام مواد سے استفادہ کیا جائے گا۔ پھر یہی قوانین ایک خاص دور کی شریعت ہوں گے جو سب پر لاگو ہوں گے۔ ایک اسلامی ملک میں دس قوانین یا شریعتیں ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ جس دور کے لئے جو شریعت بنے گی، وہ بھی ابدی نہیں ہوگی۔ ضرورت پیش آنے پر اس میں بھی حک و اضافہ ہوتا رہے گا۔ دین اور شریعت کے فرق کے لئے یوں سمجھنا چاہیے کہ انسان تغیر و ثبات کا مجموعہ ہے۔ اس کی انیاذات یا EGO تغیر نا آشنا ہے لیکن اس کا جسم ہر آن بدلتا رہتا ہے۔ اس تغیر سے اس کی شخصیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ٹھیک اسی طرح اسلام کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ہمیشہ باقی و قائم رہنے والا اور وہی ہے دینِ قیم۔ اور دوسرا حصہ تغیر پذیر ہے جو ضرورت و مصلحت کے وقت بدل جاتا ہے اور یہی ہے شریعت۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب خلفائے راشدین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بعض شرعی منصوصات و معمولات کو بدل دیں تو کیا فضلاء امت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان خلفائے راشدین کے فیصلوں میں اسی وزن کی دوسری مصلحتوں کے پیش نظر حک و اضافہ کر دیں۔ اور اپنے اجتہاد سے کام لے کر ترمیم و اضافہ کا فریضہ ادا کریں۔ اجتہاد کا مطلب یہ نہیں کہ جو چاہے جب چاہے اور جس حکم کو چاہے، اٹھا کر بدلنا شروع کر دے اور اسے اجتہاد

کا نام دے دے۔ جس طرح ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں، اسی طرح یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہر کس و ناکس کو اجتہاد کا حق نہیں۔ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ اور ہر فن کا یہی حال ہے کہ مارت رکھنے والا ہی کسی فن میں رائے دے سکتا ہے۔ اجتہاد کے لئے ضروری ہے کہ :

(۱) کسی حکم میں رد و بدل اسی وقت ہو جب شدید ضرورت ہو۔

(۲) وہ حکم و اضافہ پیچیدگی کا واقعی حل ہو۔

(۳) تبدیل و ترمیم ارباب حل و عقد کریں اور اس میں خیر غالب کا خیال رکھیں۔

(۴) اساسی اقدار دین مجروح نہ ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے ضروری شرائط اجتہاد کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل میں جانا مقصود نہیں۔ ہاں ایک بات صاف کر لینی

ضروری ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اب فاروق اعظمؓ اور امام اعظمؒ جیسے لوگ کہاں ہیں جو

اجتہاد کا حق ادا کر سکیں۔ یعنی چونکہ اب ایسے لوگ نہیں اس لئے اجتہاد بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہی استدلال

کا انداز رہا تو کل یہ بھی کہا جائے گا کہ اب علی مرتضیٰؑ جیسے مخلص مجاہد کہاں ہیں جو دشمن کے تھوکے کے

بعد اس کے سینے سے اتر آئیں؟ لہذا اب قتال فی سبیل اللہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اب عمر فاروقؓ جیسے عدل

و ایثار والے لوگ کہاں ہیں جو محط میں گھی کھانا چھوڑ دیں اور اپنے فرزند کو بھی ڈرے لگانے سے دریغ نہ کریں

لہذا اسلامی نظام عدالت قائم کرنے کا خیال بھی چھوڑ دینا چاہیے۔ اب امام ابوحنیفہؒ جیسے عالم و متقی فقیہ

کہاں ملیں گے اس لئے درس فقہ کو بھی ختم کر دینا چاہیے۔ غرض اس قسم کے خدشات و شبہات کو ہم

وسعت دیتے چلے جائیں تو زندگی کے ہر موڑ پر مایوسی ہی مایوسی نظر آنے لگے گی اور پورے اسلام ہی

سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اس نوع کی مایوسی نہ ہونے سے نہ تو زندگی کی

تعمیر ہو سکتی ہے نہ معاشرتی مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔ ہر دور کے مسائل کا حل یوں ہی نکل سکتا ہے کہ

ہر مسئلے کے ارباب حل و عقد ماہرین۔ جیسے بھی اس دور میں میسر آئیں۔ اجتہاد کریں اور غلطی کے منطقی

امکانات سے خوف نہ کھائیں۔ غلطی کے امکانات تو صدر اول میں بھی موجود تھے۔ اگر یہ امکانات نہ ہوتے

تو فقہ کا یہ مسئلہ کہاں سے بنا کہ مجتہد کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور ٹھیک بھی۔ (المجتہد بخیطی

و یصیب)۔ اور پھر حضورؐ یہ کیوں فرماتے کہ ٹھیک رائے دینے والے کے لئے دواجر ہیں اور غلطی کرنے

والا ایک اجر کا مستحق ہے۔ خطا اور غلطی ہی تو انسان کا ماہ الامتیاز و صفت ہے۔ غلطی و خطا ہی تو

انسان کو ارتقاء کی طرف لے جاتی ہے۔ جمادات و حیوانات غلطی نہیں کرتے اس لئے ان میں عقلی ارتقاء بھی نہیں۔ انسان غلطی کرتا ہے تو اس کی تلافی کرتا ہے۔ ٹھوکر کھاتا ہے تو سنبھلتا ہے اور اسی طرح کے تجربات اسے ارتقاء کی طرف لے جاتے ہیں ورنہ وہ ایک سی جامد حالت میں پڑا رہے اور بے خطا جانوروں پر اسے کوئی شرف حاصل نہ ہو۔ قرآن کریم نے جو قصہ آدم بیان کیا ہے، اس میں بڑی خوبی سے یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ خطا کار آدم کو بے خطا فرشتوں پر کیوں فضیلت حاصل ہوئی اور معصوم و بے خطا مخلوق کے ہوتے ہوئے خلافت ارضی خطا کار مخلوق کے سپرد کیوں کی گئی۔

اگر آج علیؑ و خالدؑ و وزراءؑ کے نہ ہونے کے باوجود ہم جہاد و قتال کر سکتے ہیں۔ اگر عمرؓ اور شریحؓ کے موجود نہ ہونے پر بھی نظام عدالت قائم کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ابوحنیفہؒ و شافعیؒ کے نہ ہونے کے باوجود اجتہاد کو ختم کر دیا جائے۔ دروازہ نہ اس کا بند ہے نہ اُس کا۔ اجتہاد کا مطلب ائمہ مجتہدین سے سر تابی نہیں بلکہ انہی کی مساعی مشکورہ سے فائدہ اٹھانے کا نام اجتہاد ہے۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اجتہاد محض جائزگی حد تک نہیں۔ یہ جواز و عدم جواز سے بلند تر حقیقت ہے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے جو اپنی نمود چاہتا ہے اور زندگی کے ہر ہر گوشے میں اس کی طلب موجود ہے۔ اگر ہم اس فطری مطالبے کو حُسن و خوبی کے ساتھ پورا نہیں کرتے تو اس سے خود ہمارا اپنا نقصان ہوگا۔ محض جائز و ناجائز کہہ کر الگ ہو جاتے سے کسی مسئلے کا حل نہیں نکلا کرتا۔ آج کے ایٹمی دور نے زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا ہے۔ نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، جن کا حل اجتہاد کے بغیر نہیں نکل سکتا۔ مثلاً انشور کرانا۔ بنکاری اور اس کا منافع۔ خاندانی منصوبہ بندی۔ ایک کا خون دوسرے کے جسم میں ڈالنا۔ مرنے والے کی رضامندی سے اس کی آنکھ یا کوئی اور حصہ جسم زندوں کے کام میں لانا۔ زمین یا دوسرے ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت قرار دینا۔ رویت ہلال کے لئے فلکیات پر اعتماد کرنا۔ عورتوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کا مقام اور پردے کی حدود متعین کرنا۔ بعض جائز چیزوں، مثلاً تعدادِ دلچ کسی کی شادی۔ طلاق۔ دعوت۔ ذبائح۔ سفر حج وغیرہ۔ پر بعض پابندیاں عائد کرنا۔ جہیز کی اصلیت، حضانت کی مدت۔ مفقود الخیر کی میعاد۔ یتیم پوتے کی وراثت۔ فلوٹو گرافی۔ موسیقی۔ مصوری وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہمارے دور کے مسائل ہیں جن کا تعلق براہِ راست ہماری زندگی سے ہے۔ یہ روزمرہ کے مسائل اجتہاد ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔ ان میں بعض مسائل تو وہ ہیں جن کا

زکر قدیم کتب فقہ میں سرے سے موجود نہیں اور بعض وہ ہیں جو ہماری کتب فقہ میں موجود ہیں لیکن وہ عوام کی نگاہوں سے اوجھل رہے ہیں یا اوجھل رکھے گئے ہیں۔ اور کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو کسی خاص دور کے لئے تھے اور اب تک ہم اسی پر قائم ہیں حالانکہ نقشہ زندگی بدل جانے کی وجہ سے اب ان پر قائم رہنا ضروری نہیں۔ ہم اپنی توانائیوں کا بڑا حصہ ایسے مسائل میں بھی صرف کر چکے ہیں جن کے متعلق نہ آخرت میں باز پرس ہوگی اور نہ وہ دنیا میں کچھ کام آئیں گے۔ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ آنحضرت کو علم غیب تھا یا نہیں؟ حضور لبشر ہیں یا نہیں؟ صحابہؓ میں کون افضل ہے اور کون مفضول؟ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ سیاہ تھا یا سفید؟ براق کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ حضرت مسیحؑ چوتھے آسمان پر زندہ ہیں یا نہیں؟ ان جیسے مسائل پر ہم نے اپنی بہت سی توانائیاں صرف کر دی ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ عقل اور اجتہاد سے کام لے کر ان مسائل کو حل کریں جن کا براہ راست ہماری زندگی سے تعلق ہے۔ اگر ہم اس فریضے میں کوتاہی کریں گے تو زمانہ ہماری پروا کئے بغیر آگے بڑھتا جائے گا۔

سچ پوچھئے تو زمانہ خود ہی ایک بڑا موثر مضقی ہے۔ لوگ خود ہی اس کا فتویٰ مان لیتے ہیں لیکن بعد از خرابی بسیار۔ آج سے تیس پینتیس سال پہلے جب پہلی بار بمبئی میں لاؤڈ اسپیکر سے خطبہ عبید کا کام لیا گیا تو اکثر علماء نے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا اور دیکھتے دیکھتے اب یہ صورت ہو گئی کہ بے ضرورت شور سے روکنے کے لئے اگر حکومت لاؤڈ اسپیکر کہیں بند کرتی ہے تو سبھی علماء شور مچاتے ہیں کہ حکومت تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کو بند کرتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آج ہم جو باتیں عرض کر رہے ہیں ان کو یہ حضرات کچھ دنوں بعد انشاء اللہ مان لیں گے کیونکہ زمانہ خود بہترین مضقی ہے۔

حضرات! ہمارے خیال میں ہم پاکستانیوں کی اس وقت کوئی معین شریعت نہیں ہے۔ پچھلے ادوار کی شریعتوں پر چل رہے ہیں جن کے اختلافات کو دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ جب ہم ان خام مواد سے استفادہ کرتے ہوئے ایک بات کو متعین کر لیں گے اور حکومت اسے نافذ کر دے گی تو ہمارے لئے وہی مندرجہ ہوگی۔ اور پھر وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگی۔ ضرورت کے وقت مجالس قانون سازیا کوئی اور مقرر کردہ کمیٹی اس میں بھی ترمیم کر سکتی ہے۔ ہمارے موجودہ انتشار کا اس کے سوا کوئی حل نہیں۔